پردہ
قرآن اور سنت کی روشنی میں

ولانا السید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مدظلہ مجتہد

شن - لکھنؤ ۳ (ہندوستان)

سلسلہ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۶۰

پردہ

قرآن اور سنت کی روشنی میں

از

عالیجناب مولانا السید ذریشان حیدر صاحب قبلہ جوادی دام ظلہ
مجتہد العصر۔ الہ آباد

مطبوعہ سرفراز قومی پریس، لکھنؤ

قیمت: ستر پیسے

تعارف

جناب مولانا مدظلہ کا یہ گرانقدر مقالہ جو ممدوح نے ہم کو بغرض اشاعت مرحمت فرمایا ہے یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، اور ہم اس کو امسال مشن کے لٹریچر میں شامل کر کے بصورت رسالہ شایع کر رہے ہیں۔

یقین ہے کہ افراد ملت اس رسالہ کی بھی کثیر سے کثیر تعداد طلب فرما کر تقسیم فرمائیں گے اور عنداللہ و عندالرسول ماجور ہوں گے۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ۔ ۳

محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

بسمہ سبحانہ

تلخ، تند، ترش

عورت، غیرت، عبرت

عورت! انسانی نوع کا وہ اہم جز جس کے بغیر نوع ناتمام اور بشریت نامکمل رہ جاتی ہے ـــــ انسانی حیات کا وہ بنیادی مرکز جس کے بغیر انسان کے دائرہ وجود کا قائم ہونا فطرتاً غیر ممکن اور محال ہے۔ دنیا میں ایسے انسان مل سکتے ہیں جو اپنے وجود میں ماں باپ دونوں سے بے نیاز ہوں۔ ایسے انسان بھی مل سکتے ہیں جو اپنی خلقت میں باپ سے بے نیاز ہوں لیکن انسانی تاریخ میں کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو اپنے وجود میں عورت کا شرمندۂ احسان نہ رہا ہو اور جس کے وجود میں ماں جیسی عورت کا دخل نہ رہا ہو۔

عورت انسانی تہذیب و تربیت کی وہ اکیلی ذمہ دار ہے جس کی پرداخت پر پورے سماج کی تہذیب منحصر اور جس کی پرورش پر پورے معاشرہ کا کلچر موقوف ہے، مرد کی تربیت کا میدان معاشرہ واجتماع ہے

اور عورت کی پرورش کا میدان اُس کی آغوش سے لے کر گھر کی چار دیواری تک ہے۔ ظاہر ہے کہ آغوش انسانی پرورش کی پہلی منزل ہے۔ گھر تربیت کا دوسرا موقف ہے اور سماج و اجتماع و معاشرہ تربیت کا آخری میدان۔ اس لئے انسانی تہذیب پر غلاف چڑھانے اور اُس کی حقیقت کی پردہ پوشی کا کام تو مرد بھی انجام دے سکتا ہے لیکن فطرت سازی، مزاج کی ساخت و پرداخت کا بنیادی کام عورت کے ذمے ہے، جیسی عورت ہوگی ویسی ہی تربیت ہوگی اور جیسا نقش اول ہوگا ویسا ہی نقشہ تیار ہوگا۔ مثل مشہور ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

غیرت! یہیں سے عورت کی زندگی میں غیرت کی اہمیت کا سوال اُٹھتا ہے۔ عورت جس قدر غیرت مند ہوگی اُسی اعتبار سے اُس کی تربیت بھی صالح اور صحت مند ہوگی۔ غیرت سے مُراد فقط شرم سے سر جھکا لینا نہیں ہے بلکہ غیرت کے حدود میں ان تمام مقدسات اور تعلیمات کا تحفظ بھی ہے جن کے بغیر انسانی تربیت نامکمل رہ جاتی ہے۔ ایک غیرت مند انسان جہاں سماجی رکھ رکھاؤ کا لحاظ رکھتا ہے۔ ظاہری آداب اور معاشرتی قید و بند کا احترام کرتا ہے وہاں ان اصولی قوانین کا بھی شدت سے پابند ہوتا ہے جن کی حقانیت کا اعتراف کر چکا ہوتا ہے، مذہب، عقیدہ اور نظریہ سے زیادہ اہم غیرت کو پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے دورِ حاضر میں اخلاقی غیرت کے ساتھ ساتھ مذہبی غیرت کا اُٹھ جانا ہی

وہ حادثۂ عظمیٰ ہے جس پر مادرِ فطرت آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے، مسلمان اسلام پر حملے، مذہبی مقدسات کی تباہی، احکام و قوانین شریعت کی بربادی دیکھ رہا ہے اور نہایت ہی سکون کی زندگی گزار رہا ہے۔ اسے نہ کبھی ان احکام کی تباہی کا غم ہوتا ہے اور نہ ان تعلیمات کی بربادی کا۔ بلکہ کبھی کبھی اپنے طرزِ عمل سے اس غارت گری میں برابر کا شریک بھی ہو جاتا ہے اور اسے اپنے کیے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اسی ناموس غیرت کو بیدار کرنے کے لیے مسجد کوفہ میں انتہائی شدید لہجہ میں اس وقت خطاب فرمایا تھا جب آپ کو اطلاع دی گئی کہ کچھ مسلمان عورتیں بازاروں میں گھوم رہی ہیں اور بھیڑ بھاڑ میں غیر مردوں کے شانے سے شانہ ملا کر چلتی ہیں ۔۔۔ اور آپ نے منبر سے اس خبر کا تذکرہ فرماتے ہوئے نہایت ہی درد انگیز، پُر تاثیر اور خشمگیں انداز سے ارشاد فرمایا تھا اَلَا تستحیون ۔ اَلَا تغارون ۔ کیا تمھیں حیا نہیں آتی، کیا تم میں غیرت نہیں رہ گئی؟ یعنی اگر غیرت ہوتی تو مذہبی جذبات کا احترام ہوتا۔ ناموس کے سربازار گھومنے پر معترض ہوتے۔ غیر مردوں سے ٹکراؤ پر رگ حمیت پھڑک جاتی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمھارا احساس غیرت مردہ اور جذبۂ حیا فنا ہو چکا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے غیرت ہی سے عبرت کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں۔

عبرت اعبرت انسان کو اپنے کرتوت کے انجام کی طرف متوجہ

کرتی ہے، عبرت بے ہوش کو ہوش میں لاتی ہے اور حال کے آئینے میں ماضی کا بھیانک چہرہ دکھا دیتی ہے۔ عبرت حاصل کرنے والا اپنی غلطی پہ اصرار اور اپنی خطا پر ضد نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اس کے پیش نظر اس اصرار اور اس ضد کا انجام بھی ہوتا ہے۔

دور حاضر میں اسلامی غیرت کی کمی یا اس کے فقدان نے جو المناک مناظر پیش کئے ہیں وہ ایک صاحب نظر و بصیرت کی عبرت کے لئے بہت کافی ہیں۔ اسلامی ممالک اور مسلم معاشرے میں ابھی عبرت کے امکانات اور احساس کے مواقع فراہم ہو سکتے ہیں۔ یہاں سور کا گوشت اور شراب مغرب کی طرح عام نہیں ہوا ہے کہ گوشت سے بے حیائی اور شراب سے بے حسی رگ رگ میں سرایت کر سکے، مغرب اپنے اقدامات میں اس لئے مجبور ہے کہ اس نے پہلے ہی سے سیدھے راستے کو چھوڑ دیا ہے، اس نے سور کے گوشت اور شراب کو اپنی زندگی کا جزو بنا لیا ہے، اس کے لئے عبرت کے امکانات بہت کم ہیں، اس کی رگ حمیت اس قدر مردہ ہو چکی ہے کہ اسے چھیڑا ہی نہیں جا سکتا، سور ایک غلیظ کھانے والا جانور ہے جس کی مادہ ہمہ وقت بہت سے نروں سے رابطہ رکھتی ہے اور شراب ایک ایسی نشاط انگیز بلا ہے جو نشاط کے پردہ میں اعصاب کو کمزور کر کے قوت احساس کو تقریباً فنا کر دیتی ہے۔ اس کے عادی لوگ ان مطالب کو یاد رہی نہیں کر سکتے جنھیں ایک باشعور، حساس اور غیرت مند مسلم معاشرے کو یاد کرایا جا سکتا ہے۔

مغرب کی یہی وہ چالاکی تھی جسے مسلمان ابتداءً نہ سمجھ سکا اور جب سمجھنے کا وقت آیا تو وہ اپنے احساس کو کھو چکا تھا، مغرب نے اپنی گوشت خوری اور شراب نوشی کی فطرت سے یہ فیصلہ کیا کہ جوان لڑکی کا ہاتھ نامحرم لڑکے کے ہاتھ میں دے دینا عیب نہیں ہے، مخلوط تعلیم جنسی مسائل کا بہترین حل ہے، مشترکہ ڈانس انسانی تہذیب کا اعلیٰ نمونہ ہے اس لئے کہ اس طرح اپنی جنسی تسکین کا سامان فراہم ہو جاتا ہے چاہے اپنی بیٹیاں غیر مردوں کے تصرف میں کیوں نہ آجائیں۔ اس کا احساس اس لئے بھی نہیں ہوتا کہ شراب نے احساس کی رگ کو کمزور کر دیا ہے اور سور کی فطرت بھی یہ ہے کہ وہ اپنی مادہ کے ساتھ غیر نر کے تعلق کو بسہولت دیکھ سکتا ہے اور اس پر کوئی جذبۂ انتقام طاری نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ تہذیب مشرق میں آئی تو اس کا کافی مذاق اڑایا گیا اور ارباب غیرت نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ قیامت یہ ہوئی یہ تہذیب حاکم اور فاتح قوم کے محفوظ صندوقوں میں بند ہو کر آئی تھی اس لئے انھوں نے مذاق کے راستے کو طاقت سے روکا اور ذہنیت کو بدلنے کے لئے فوری تدابیر اختیار کرنا شروع کر دیے۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ شراب و سور کا دلدادہ معاشرہ اس تہذیب کا استقبال کرتا ہے اور ان دونوں چیزوں کا مخالف معاشرہ ان کی مخالفت کرتا ہے اس لئے انھیں بنیادی فکر یہ لاحق ہوئی کہ معاشرے کو ان دونوں چیزوں سے آشنا بنایا جائے، حاکم قوم کے لئے کوئی کام دشوار نہیں ہوتا اور نا پختہ اذہان کو بہکا دینے میں

کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی، چنانچہ انھوں نے اعلیٰ تعلیم کو اپنے علاقوں میں منحصر کرکے اور اعلیٰ عہدوں کے شرائط میں اپنے سماج میں قیام سے مشروط کرکے مشرقی تہذیب کے پرستاروں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ مغرب میں زندگی گزاریں اور دو چار برس وہاں کی تہذیب سے دوچار رہیں۔ وہ تہذیب جس میں شراب پانی کی قائم مقام، سور کا گوشت غذا کا مخصوص جزو اور عورتوں کی عریانی و فراوانی قدم قدم پر دعوت نظر دیتی ہوئی ـــــ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ افراد اپنی اصلی حیا و غیرت کو چھوڑ کر اپنے ساتھ ایک ضمیمے کو لے کر پلٹے ـــــ عورت انسان کی ایک فطری کمزوری ہے، جس نے بھی اس "ایک پنتھ دو کاج" کا مرقع دیکھا اسی نے دُور دراز سفر کے منصوبے بنانا شروع کردیے اور وہاں سے تینوں تحفے ساتھ لے کر آنے لگے، شراب کی عادت، لحم خنزیر کی لذت اور عورت! ایسے عالم میں کون سی تبلیغ اس طوفان کو روکتی، اور کون سا مشن اس سیلاب کے سامنے کھڑا ہوتا۔ حکومت کی آہنی دیواریں اپنے کلچر کی حفاظت کے لیے پہلے ہی سے کھڑی تھیں ـــــ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ ارباب تبلیغ نے عاجز آکر میدان سے قدم ہٹا لیا، کم ہمت لوگوں نے اپنے معاشرے سے صلح کرلی۔ ارباب قلم نے پردے کے موضوع پر تحقیقی مواد جمع کرنا شروع کردیا اور اس فطری غیرت کے جذبے کو بیدار کرنے کی کوشش ختم کردی بے حیائی کے اسباب پر نظر کرنا ہی ترک کردیا، اور آج معاشرہ اس منزل پر پہونچ گیا جہاں غیر تو غیر خود مسلمان بھی آزادی کے نام پر حیا و غیرت کو

دفنا رہا ہے، تہذیب جدیدہ کے نعرے لگا کر ناموس کو لٹا رہا ہے، متکلمین پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ قلم پر پہرے بٹھائے جاتے ہیں اور اسلامی تہذیب کے پرستاروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور انسان اپنے گریبان میں منھ ڈال کر نہیں دیکھتا کہ جہاں سینما ہال میں ہم چند تصویروں کے تماشائی بن کر جاتے ہیں وہاں دوسرے نوجوان ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے تماشائی بن کر آتے ہیں، کالجوں میں جہاں تعلیم ہوتی ہے وہیں پہلو بہ پہلو عیاشی کے اڈے بھی قائم ہو گئے ہیں ـــــ بے غیرتی کو ضرورت کا نام دے دینا دوسروں کو تو مطمئن بھی کر سکتا ہے لیکن اپنے ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتا۔

زیر نظر رسالہ لکھتے وقت مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ میری بات صدا بہ صحرا نہ ثابت ہو گی، میری آواز ارباب غیرت کے کانوں تک پہونچے گی اور وہ ان بھیانک نتائج سے عبرت حاصل کریں گے جن میں ہمارا معاشرہ مبتلا ہے۔ اس رسالے میں ابتدائی طور پر اسلامی احکام کی بنیادوں پر بحث کی گئی ہے اس کے بعد قرآن و سنت کے آئینے میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام دین حیا و غیرت ہے، وہ ناموس کے سر بازار گھومنے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ ایسی تعلیم کو قابل لعنت سمجھتا ہے جس میں اس کے تعلیمات کا احترام ہو سکے اور ایسی تہذیب کو بد تہذیبی تصور کرتا ہے جس میں تہذیب کے پردے میں عیاشی اور فحاشی کو رواج دیا جائے۔

یہ ایک درد مند دل کی آواز ہے جو غیرت دار مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہے ـــــ اور فریاد کا قانون یہ ہے کہ وہ اثر کرے یا نہ کرے اسے سن ضرور لینا چاہیے۔ والسلام

السید ذی شان حیدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"پردہ" کے موضوع پر قلم اُٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اسلام کے احکام کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور اسلام نے ان کے تحفظ پر کس مقدار میں زور دیا ہے؟ شریعت اسلام کے جملہ احکام و تعلیمات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کے جملہ قوانین کی بنیاد پانچ اہم باتوں پر ہے۔ عقل، مذہب، نفس، آبرو، مال۔ انھیں باتوں کے تحفظ کے لیے یہ قوانین وضع کیے گئے ہیں اور انھیں کی حفاظت پر صاحب شریعت نے سارا زور صرف کیا ہے۔

عقل — جملہ اصول و فروع کی اصل ہے، عقل ہے تو خدا کا عرفان اور قیامت پر ایمان ہے اور عقل نہیں ہے تو نہ مبدء کا عقیدہ ہے نہ معاد کا تصور — ! اس کا تحفظ اس حد تک ضروری ہے کہ اس پر کوئی معمولی سے معمولی حملہ بھی برداشت نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحفظ کا کافی دور سے انتظام کیا جائے گا۔

مذہب — مذہب کا تحفظ اس لیے ضروری ہے کہ جب تک قانون کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں گی اُن پر ایمان پختہ نہ ہوگا اس وقت تک فروعات و احکام پر عمل کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دنیا کا کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو اپنے بنیادی اصول و قوانین کا تحفظ نہ کرے۔

مذہب کو عقل سے اس لیئے الگ کر دیا گیا ہے کہ اسلام کا مذہب کسی عقل کا نتیجہ نہیں ہے وہ خالق عقل کا ایک ایسا دستور ہے جو سراسر مطابق عقل ہو لیکن کسی عقل کی پیداوار نہیں ہے۔ عقل کی پیداوار وہ نظام ہوتے ہیں جنھیں دنیا کے صاحبان عقل وضع کیا کرتے ہیں اور اسلام کا نظام خالق عقل کا وضع کیا ہوا ہے۔ اسلام میں عقل قانون ساز نہیں ہے بلکہ قانون کا ادراک کرنے والی اور اس کی خوبی اور بدی کا فیصلہ کرنے والی ہے اس لیئے مذہب کا تحفظ اصولوں کی حیات کے لیئے ضروری ہوگا اور عقل کا تحفظ اصولوں کی صحت کے لیئے!

نفس ـــــ مثل مشہور ہے کہ جان ہے تو جہان ہے۔ انسان زندہ ہے تو عقل بھی ہے، مذہب بھی ہے، آبرو بھی ہے اور مال بھی ـــ اور مر گیا تو ان میں سے کچھ نہیں ہے اس لیئے جان کی اہمیت و حفاظت ان سب کے تحفظ کے لیئے ضروری ہے۔ جان کا مرتبہ ایک اعتبار سے عقل و مذہب سے پست ضرور ہے کہ ایسی زندگی سے کیا فائدہ جس میں عقل صحیح فیصلوں کے قابل نہ ہو اور عمل صحیح اصولوں کے تحت نہ ہو لیکن دوسرے اعتبار سے جان ان دونوں سے زیادہ اہم اور بنیادی شے ہے کہ اسی کے دم سے دونوں کا عروج ہے اور اسی کی فنا کے ساتھ دونوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

آبرو ـــــ! آبرو انسانی فطرت کا عظیم ترین سرمایہ ہے جس کی حفاظت کے لیئے انسان کیا کچھ نہیں قربان کر دیتا ہے۔ آبرو عزیز نہ ہوتی تو لوگ

اس کی خاطر جان و مال کی قربانی نہ پیش کرتے، جان و مال جیسی قیمتی چیزوں کا قربان کر دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ فطرت کے اندر ایک جذبہ ہے جو اسے آبرو کی حفاظت پہ آمادہ کرتا ہے اور اس سے بڑی سے بڑی قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔

مال ــــ! معاشرتی تنظیم اور انفرادی زندگی دونوں کے لیے مال ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ روٹی کپڑے کا سوال انسانی زندگی کا بنیادی سوال ہے اور اس کا جواب مال کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے، اس لیے کہ مال سے مُراد صرف روپیہ پیسہ نہیں ہے بلکہ جان و آبرو کے علاوہ اس مادی دنیا میں جو کچھ ہے وہ مال ہی کہا جاتا ہے، غذا بھی مال ہے اور لباس بھی مال، روپیہ پیسہ بھی مال ہے اور مکان و مستقر بھی مال ــ مادی جسم کی بقا مال کے بغیر ناممکن ہے اس لیے مال کا تحفظ اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کا تحفظ ضروری ہے۔

مندرجہ بالا امور میں سے تین چیزیں یعنی عقل، نفس اور مال ایسی ہیں جن کے تحفظ پر تمام عقلا روزگار اور اہل دین و دیانت کا اتفاق ہے۔ انسان مذہبی ہو یا لامذہب، دیندار ہو یا بے دین خدا پرست ہو یا خود پرست اس بات کا اقرار ضرور رکھتا ہے کہ حیات انسانی کے لیے عقل وادراک کا وجود ضروری ہے، انسان کا باقی رہنا ایک فطری یا معاشرتی فرض ہے، اور اسی لیے خودکشی حرام ہے۔ مال بھی بقائے حیات کا عظیم ترین وسیلہ ہے اس لیے اس کی بھی اتنی ہی اہمیت ہو گی جو ایک زندگی کی

بقا کی ہوا کرتی ہے، اختلافی چیزیں صرف دو ہیں ایک مذہب اور ایک عزت وناموس۔ دینی طبقے مذہب کی اہمیت اور اس کے تحفظ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن لادینی طبقہ اس کا قطعی منکر! فطرت شناس اور ضمیر پرست طبقہ عزت وناموس کو بے حد اہمیت دیتا ہے لیکن ضمیر کش اور فطرت دشمن سماج اس کی اہمیت کا قطعی منکر ہے۔

مذہب اور لامذہبیت کے اس اختلاف کی بنیاد ایک دوسرے فلسفیانہ اختلاف پر ہے۔ فلسفہ کی دنیا میں دور قدیم سے دو نکتہ خیال کام کر رہے ہیں، ایک کی نظر میں انسانی حقیقت مادہ ہی مادہ ہے اور بس۔ اس کے نزدیک عقل اہم ہے اس لیے کہ مادی ادراک ہے اور یہ ادراک حیات کے لیے ناگزیر ہے، نفس اہم ہے اس لیے کہ بقائے حیات لازمی ہے اور مال اہم ہے اس لیے کہ وہ جسم مادی کی بقاء کا بہترین وسیلہ ہے۔ دوسرا نکتہ خیال انسان کو جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام دیتا ہے اس کے نزدیک انسان وحدت نہیں ثنویت ہے، اکائی نہیں دوئی ہے اور یہ دوئی بھی آپس میں انتہائی متضاد۔ ایک خالص مادی اور ایک خالص غیر مادی، اور جب دونوں کے خمیر میں اتنا شدید اختلاف ہے تو دونوں کے تقاضے بھی مختلف ہوں گے اور ایک کی غذا دوسرے کے سیر کرنے کا انتظام نہ کر سکے گی۔ واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ مادیت وروحانیت، مذہب ودہریت کے درمیان محل اختلاف نہ عقل ہے نہ نفس نہ مال۔ بلکہ جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ مذہب کی

اہمیت میں اور ناموس کی عظمت میں۔ مذہب ان دونوں باتوں کو بیحد اہمیت دیتا ہے اور لامذہبیت اس کی شدت سے منکر ہے۔

مذہب و ناموس کا یہی روحانی اتحاد تھا جس کی بنیاد پر متعدد حدیثوں میں صاف صاف اعلان کیا گیا کہ "من لا حیاء لہ لا دین لہ" جس کے پاس حیا و غیرت نہیں ہے اس کے پاس دین بھی نہیں ہے، تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ مولائے کائنات امیر المومنینؑ کوفہ میں تخت حکومت پہ جلوہ افروز تھے ایک شخص نے آکر خبر کی کہ آج کچھ مسلمان عورتیں بازار میں ٹہلتی دکھائی دی ہیں۔ یہ سن کر آپ کو جلال آگیا، مسجد میں اجتماع عام کا حکم دیا اور جب مسجد مسلمانوں سے پُر ہو گئی تو منبر پر تشریف لے گئے فرمایا "میں نے سنا ہے کہ تمہاری عورتیں بازار میں نکلتی ہیں اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں کیا تمھیں غیرت نہیں آتی، کیا تمہارے پاس حیا نہیں ہے؟ یاد رکھو جس کے پاس حیا نہیں ہے اس کے پاس دین بھی نہیں ہے۔"

واقعہ سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مذہب کی روح حیا و غیرت ہے اور اس کا سبب یہی ہے کہ غیرت و مذہب دونوں روحانیت کے دو نمونے ہیں جن کی عظمت کا اعتراف مذہب ہی کرتا ہے لامذہبیت نہیں کرتی۔

اسلام نے ان پانچوں جزوں کو اہمیت دی ہے لیکن ہر شے کا درجہ معین کر دیا ہے اور ہر ایک پر اثر انداز ہونے والی چیز کو حرام اور ممنوع قرار

دے دیا ہے، اس کی نظر میں سب سے اہم اور بنیادی شئے عقل ہے، عقل نہیں ہے تو کچھ نہیں، اسی لئے عقل کو متاثر کرنے والی چیزوں پر انتہائی شدت سے پابندی لگائی گئی۔ شراب کا پینا، بنانا، بیچنا، خریدنا، اٹھانا، رکھنا، انگور نچوڑنا۔ اور حد یہ ہے کہ شراب بنانے کی نیت سے انگور کی کاشت تک حرام — جو شدت احتیاط کسی دوسرے مسئلہ میں نہیں برتی گئی۔

عقل کے بعد دوسرا درجہ مذہب کا ہے۔ مذہب ان عقلی اصولوں کا نام ہے جن پر عمل پیرا ہونا فلاح و نجات کا بھی ضامن ہے اور روح و قلب کی تسکین کا بھی باعث ہے، مذہب کے تحفظ کا انتظام بھی بڑے زور و شور سے کیا گیا ہے، کفر حرام، کلمۂ کفر حرام، نفاق حرام، جبر و اکراہ حرام، تبلیغ فرض، ہدایت فرض، ارشاد و اعلان فرض — وغیرہ۔

مذہب کے بعد جان کا نمبر آتا ہے۔ جان اگرچہ طبعی قوانین کی بنیاد پر مذہب سے زیادہ اہم ہے لیکن عقلی بنیادوں پر مذہب کی اہمیت جان سے زیادہ ہے اسی لئے مذہب پر مرجانا عیب نہیں ہے اور لامذہب ہو کر زندہ رہنا اسلام کی نظر میں سب سے بڑا عیب ہے۔ اور اسی گناہان کبیرہ کی فہرست میں پہلا نام کفر کا آتا ہے اور نجاست کا حکم بھی مشرکین ہی کے لئے لگایا گیا ہے۔

جان کے بعد آبرو کا درجہ ہے۔ یہاں سے جذبات اور عقل کے راستے الگ ہو جاتے ہیں، عقل جان کو آبرو سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے اور جذبات کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ جب عزت و آبرو نہ رہی تو جی کر کیا کریں گے۔

اسلام نے اس طرزِ فکر کو جاہلانہ قرار دیا ہے اور عقلی اقدام کو اس کے برعکس ٹھہرایا ہے۔

دنیا کے لوگ معمولی سی ذلت و بے عزتی کو بہانہ قرار دے کر خودکشی کر لیتے ہیں اور اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اعلان کیا ہے "عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے"۔ یہ لوگ یہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ امام کے اس فقرے کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب اگر وہی ہوتا جو لوگوں کے ذہن میں آتا ہے تو دیارِ شام میں جانے کے بعد اقاد ذلیلاً کہنے والا امام کبھی زندہ رہنے پر تیار نہ ہوتا اور کم از کم موت کی دعا ضرور کر دیتا۔۔۔ امام کا دعائے موت نہ کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حدیث کا وہ مطلب ہرگز نہیں ہے جو عام طور سے کسی مطالبہ کو منوانے کے وقت مراد لیا جاتا ہے۔۔۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان موت اور حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو جائے ایک طرف حیات ہو جو ذلت میں گھری ہوئی ہو اور دوسری طرف موت ہو جس میں عزت پائی جاتی ہو اور حالات اس بات کا تقاضا کر رہے ہوں کہ یا تو ذلت کے ساتھ زندہ رہو یا عزت کی موت قبول کر لو تو انسان کا فرض ہے کہ ذلت کے ساتھ زندہ رہنا گوارا نہ کرے اور عزت کے ساتھ مر جانا پسند کرے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر زندگی میں ذلت کے امکانات پیدا ہو جائیں تو انسان خودکشی کر لے اس لئے کہ خودکشی میں موت و حیات کی کشمکش نہیں ہوتی بلکہ موت کو از خود دعوت دی جاتی ہے اور پھر خودکشی کو عزت کی موت کہا ہی نہیں

نہیں جا سکتا۔ عزت صرف اللہ کی اطاعت میں ہے، اطاعت سے ہٹ کر عزت کا تلاش کرنا سراسر جہالت ہے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ اگر کسی شخص کا لڑکا نالائق، لڑکی آوارہ یا بیوی بد چلن نکل جاتی ہے تو وہ سماج میں ذلت کے احساس سے متاثر ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور اپنی نظر میں اسے بڑا عظیم حیا پرور اقدام سمجھتا ہے اس کی توجیہ بھی یہی ہوتی ہے کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے، حالانکہ اسے سوچنا چاہئے کہ اس زندگی کو نہ ذلت کی زندگی کہتے ہیں اور نہ اس موت کو عزت کی موت، ذلت کی زندگی وہ زندگی ہے جہاں پستی وعیب اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا ہو اور کردار اپنا داغدار ہو، دوسرے کے عمل سے اپنی زندگی کے پست و ذلیل ہو جانے کا کوئی مطلب نہیں ہے، یہ طعن وطنز سماج کی ناواقفیت کی بنا پر ہے یا اس تصور پر ہے کہ ان تمام افراد کی بدکرداری کا سبب غلط تربیت ہے اور تربیت انسان کی اپنی ذمہ داری ہے جس سے غفلت فریضہ میں کوتاہی کا مرادف ہے، ایسا نہ ہوتا تو معاذ اللہ جناب آدمؑ، جناب نوحؑ، جناب لوطؑ جیسے انبیا کی زندگی بھی ذلت کی زندگی ہو جاتی، اس لئے کہ ان کی اولاد و ازواج نے بھی کسی اچھے کردار کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اس موت کو عزت کی موت بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس موت میں کوئی عزت نہیں ہے نہ اپنی عزت نہ دین کی عزت نہ سماج کی عزت یہ موت تو صرف ظاہری ذلت سے فرار ہے اور عزت ذلت سے فرار کا نام

نہیں ہے وہ ایک دوسری با ارزش اور قیمتی شے ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایسے حالات میں خودکشی کرنے والے کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے جان دے کر کوئی عزت پالی بلکہ یہی کہا جائے گا کہ عزت دار تھا اس لئے جان دے دی، یعنی عزت کی نسبت اس کی پچھلی زندگی کی طرف ہوگی موت کی طرف نہیں ــــ!

مختصر یہ کہ عزت و ذلت دو ایسے الفاظ ہیں جن کا اپنا اسلامی تصور ہے، عزت اطاعت الٰہی کا نام ہے اور ذلت اطاعت کے جادے سے منحرف ہو جانے کا نام، عزت احسان شناسی کا نام ہے، اور ذلت احسان فراموشی کا نام، عزت اصول و قانون کے تحفظ کا نام ہے اور اور ذلت بے حسی و لاپروائی کے سکوت کا نام ــــ عزت کلمۂ حق کے اعلان کا نام ہے اور ذلت باطل کے ہاتھوں پر بیعت کر لینے کا نام لہذا جب بھی کوئی ایسا موقع آجائے کہ انسان کے سامنے دو تجویزیں رکھ دی جائیں یا تو باطل کی بیعت و غلامی کر کے یعنی ذلیل ہو کر زندہ رہے یا حق کا اعلان کر کے موت کے لئے آمادہ ہو جائے، تو اس کا فرض ہے کہ حق کا اعلان کر کے شہادت قبول کرے اور باطل کی غلامی میں ذلت کی زندگی نہ گزارے۔

اسلام کی نظر میں ناموس و آبرو کا مرتبہ اگرچہ جان کے بعد ہے لیکن بیحد اہمیت رکھتا ہے، جان سے کمتر تو صرف اس لئے ہے کہ جان ہے تو ہر مرض کا علاج ممکن ہے، ہر انحراف سے استقامت کا امکان ہے،

ہرکجی کے بعد سیدھے ہو جانے کا سوال پیدا ہو سکتا ہے، لیکن اگر جان ہی نہ رہ گئی تو کسی بات کا امکان نہیں ہے ـــــ

یاد رہے کہ ناموس و آبرو سے مُراد فقط جنسی مراکز نہیں ہیں بلکہ ناموس ہر اُس محفوظ خزانے کا نام ہے جس پر تصرف کرنے کی اجازت نہ ہو اسی لئے دین کے احکام کو "ناموس شریعت" کہتے ہیں اور فطرت کے قوانین کو "نوامیس طبیعت"، ناموس کا تعلق جس طرح عورت سے ہے اسی طرح مرد سے بھی ہے۔ اسی لئے اخلاقی دنیا میں جس طرح زنا کو بُری نظروں سے دیکھا جاتا ہے اسی طرح ہم جنسی بھی انتہائی ذلیل اور مکروہ خیال کی جاتی ہے ـــــ یہ اور بات ہے کہ مرد اپنی مردانگی کے باعث ناموس کے معاملہ میں زیادہ مخدوش نہیں ہے لیکن عورت سراپا وجود ناموس ہے اس کا ہر جزو بدن ناموس ہے، اس کا ہر شعبۂ زندگی ناموس ہے جس پر فطرت نے بلا اجازت تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے ـــــ عورت کے سراپا ناموس ہونے کا اس سے بہتر کوئی ثبوت نہیں ہے کہ دور حاضر کا ذلیل سے ذلیل انسان جس کا مستقل پیشہ عیاشی اور بدمعاشی ہو جو اخلاقی قدروں کا منکر اور نیک و بد کے امتیاز کا مخالف ہو اس کے سامنے بھی اگر اس کی بہن یا ماں یا بیٹی کو جنس آمیز نظروں سے دیکھ لیا جائے تو وہ برداشت نہ کر سکے گا ـــــ در پردہ کاروبار کرانا آسان ہے لیکن منظر عام پر اپنے نظریات کا عملی پرچار کرنا بہت مشکل ہے، ایسے ہی مواقع پر نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور انسان کے ظاہر و باطن کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے،

اسلام نے تحفظ ناموس کے دو انتظامات کئے ہیں ایک کا نام ہے تذکرۂ فطرت، اور دوسرے کا نام ہے قانون شریعت۔

تذکرۂ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے قدم قدم پر انسان کو اس فطری حیا کی طرف متوجہ کیا ہے جو ہر انسان کے ضمیر میں رکھ دی گئی ہے اور جس کا جتنا تحفظ مطلوب تھا اتنی مقدار میں رکھ دی گئی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "حیا کے دس جزو ہیں نو عورتوں میں ہیں اور ایک مرد میں" ـــــ عورت میں تحفظ کی ضرورت زیادہ تھی تو اس میں جذبہ بھی شدید کر دیا گیا۔ مرد میں اتنا تحفظ لازم نہیں تھا اس لئے جذبہ بھی معمولی اور ضعیف درجہ کا رکھا گیا ہے عورت کا تعلق اپنے ناموس سے ہوتا ہے اور مرد کا تعلق اپنی عورتوں کے ناموس سے ہوتا ہے اور کسی مقدار میں اپنے اخلاقی انداز سے جن کی بے حرمتی اس کے کردار کو مجروح بنا دیتی ہے۔

حیا و غیرت کے بارے میں بعض باتوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اس وقت صرف چند احادیث کی طرف اشارہ کافی ہوگا جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام میں آبرو کی کیا اہمیت ہے اور اس نے اس کے تحفظ کے لئے کتنا زبردست بند و بست کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "اسلام برہنہ تھا اس کا لباس حیا ہے، اس کی زینت وفا ہے، اس کی مروت عمل صالح ہے، اس کا ستون ورع و زہد ہے اور اس کی اساس ہم اہلبیتؑ کی محبت ہے"۔ اس ارشاد سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حیا سے اسلامی ناموس کا تحفظ

ہوتا ہے اور اسلام کی بنیاد محبت اہلبیتؑ پر ہے یعنی جس کے پاس حیا نہیں ہے اُس کو محبت اہلبیتؑ سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، خالی دعویٰ نہ اسلام کا مفید ہے نہ محبت کا۔

"امام رضاؑ جب یہ سُنتے تھے کہ آپ کے دوستوں میں کسی نے شراب پی ہے تو آپ کا چہرہ عرقِ ندامت سے تر ہو جاتا" ۔۔۔۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ شرابیوں کی طرف امامت کا انتساب دنیا کی نظروں میں انتہائی ذلت کا باعث ہے اور کل لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ (معاذ اللہ) آپ شرابیوں کے امامؑ ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے ایک شخص کو بھرے مجمع میں غسل کرتے دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے حیا و غیرت کو دوست رکھتا ہے لہذا جسے غسل کرنا ہو اگر ے وہ پوشیدگی کے ساتھ غسل کرے اعلان کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حیا اسلام کی زینت ہے"۔ ظاہر ہے کہ مرد کے لئے مردوں کے مجمع میں غسل کرنا کوئی خلاف شرع کام نہیں ہے لیکن حضرتؐ نے اس اقدام پر بھی ٹوک دیا تاکہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھنے پائے ایسا نہ ہو کہ آج غسل کیا ہے کل اور مقدمات انجام دیئے جائیں اور اس طرح معاشرہ بے غیرتی کا شکار ہو جائے۔ پھر اس کے علاوہ اس طرز عمل کا نئی نسلوں پر غلط اثر پڑ سکتا ہے لہذا اس کا بھی لحاظ ضروری ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "اے مفضل وہ ایک صفت جس کی وجہ سے پروردگار عالم نے انسان کو تمام حیوانات سے ممتاز و ممیز بنایا ہے وہ حیا ہے

حیا نہ ہوتی تو نہ کوئی مہمان ٹھہر سکتا، نہ وعدہ پورا کرتا، نہ ضرورتوں کا لحاظ کیا جاتا، نہ نیکیوں کی تلاش ہوتی، نہ برائیوں سے پرہیز ہوتا۔ کتنے واجبات ایسے ہیں جو صرف حیا کی بنا پر بجا لائے جاتے ہیں۔ حیا نہ ہوتی تو بہت سے لوگ حق والدین، صلۂ رحم، ادائے امانت اور عفت کا لحاظ بھی نہ کرتے۔

امامؑ سے بہتر انسان کی فطرت کو کون پہچان سکتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ انسان کے اکثر اعمال دنیا کی مروت کی بنیاد پر ہوتے ہیں ان میں عملی خلوص کم ہوتا ہے اور دنیا کا پاس و لحاظ زیادہ، اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اتمام حجت کے لئے عمل کا بہترین محرک خود انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا ہے، اسی حیا کی وجہ سے انسان مہمان کو اپنے گھر میں جگہ دیتا ہے ورنہ مہمان کا کہیں گزر نہ ہوتا اس لئے کہ مہمان کتنا ہی عزیز و محبوب کیوں نہ ہو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مہمان کی وجہ سے انسان کے معمولات میں فرق آجاتا ہے اس کی زندگی کسی قدر مقید ہو جاتی ہے، اس کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے ــــ یہی حال ایفائے وعدہ کا ہے ــــ وعدہ کرنا آسان ہوتا ہے اور وعدہ کی وفا مشکل ــــ اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وعدہ کرنے اور وعدے کو وفا کرنے کے حالات میں بڑا فرق ہوتا ہے، آپ آج کسی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ایک مہینہ کے بعد فلاں تاریخ کو اس کے گھر جائیں گے، ظاہر ہے کہ جس وقت وعدہ کیا ہے اس وقت آپ بھی صحیح و سالم ہیں، گھر والے

بھی صحت مند ہیں، معاشی حالات بھی ساز گار ہیں، حکومت میں انقلاب کے بھی آثار نہیں ہیں، کوئی حادثہ بھی متوقع نہیں ہے لیکن ایک مہینہ کے بعد جب وفا کا وقت آتا ہے تو صحت بھی خراب ہو چکی ہے، گھر بھی ہسپتال میں تبدیل ہو چکتا ہے، معاشی حالات بھی بگڑ جاتے ہیں، حکومت میں بھی انقلاب برپا ہو جاتا ہے، حادثات بھی پے در پے وارد ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں وعدے کو پورا کرنے کا کوئی امکان نہ تھا اگر فطرت میں حیا کا جذبہ نہ ہوتا اور وہ جذبہ انسان کو اس بات کی طرف متوجہ نہ کرتا کہ مصائب و مشکلات اپنے مقام پر ہیں لیکن ایک دن صاحب وعدہ سے ملاقات کا بھی امکان ہے۔ — نیکیوں کا خیال اور برائیوں سے پرہیز بھی اکثر اوقات اسی ایک جذبے کی پیداوار ہوتا ہے۔ کسی بھرے مجمع میں جب کوئی سائل آجاتا ہے اور لوگوں کے ہاتھ اس کی طرف بڑھنے لگتے ہیں تو کتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو صرف مروت میں کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ یہی حال اجتماعی چندہ کا بھی ہوتا ہے، اس میں بڑے سے بڑا چندہ عموماً اسی جذبۂ حیا و غیرت کا نتیجہ ہوتا ہے، دولتمند کے ذہن میں فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر میں سب کے برابر چندہ دے دوں گا تو لوگ مجھے کیا کہیں گے اور اسی بنا پر وہ رقم بڑھانے پر مجبور ہو جاتا ہے!

حق والدین، صلۂ رحم، ادائے امانت میں بھی حیا کی کارفرمائی واضح دنمایاں ہے۔ آپ نے بے شمار ایسے بچے دیکھے ہوں گے جو جوان اور برسرروزگار

ہو جانے کے بعد ماں باپ، اعزا اقربا کی طرف سے غفلت برتتے ہیں لیکن اس کے بعد ان کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتے۔ سوال یہ ہے کہ سامنا نہ کرنے کی وجہ کیا ہے ؟ ظاہر ہے کہ یہ اسی فطری حیا کا نتیجہ ہے جو ایسے مواقع پر سامنے آنے سے روکتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سامنا ہو جانے کے بعد کچھ نہ کچھ حقوق کا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے ــ

ادائے امانت کا مسئلہ اور بھی نازک ہے اس لئے کہ امانت پر عام طور سے کوئی گواہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ اگر نہ واپس کی جائے تو کوئی گرفت بھی نہیں ہو سکتی لیکن اس کے باوجود امانتیں واپس کی جاتی ہیں اور اس کا سبب صرف یہی جذبۂ حیا ہوتا ہے۔

عفت کا حیا سے ربط تو بالکل واضح ہے۔ عفت کا تحفظ عام طور پر حیا ہی کی بنا پر ہوتا ہے، خدائی احکام و فرائض کی بنیاد پر عفت کا تحفظ کرنے والے دو ہی چار فی صدی ہوتے ہیں۔ حیا چونکہ متفاوت جذبہ ہے اس لئے جس میں جتنی حیا ہوگی اُس کی ویسی ہی عفت بھی ہوگی، حیا کامل ہوگی تو عفت بھی کامل ہوگی، حیا ناقص ہوگی تو عفت کا ناقص ہونا بھی ناگزیر ہے۔ دور حاضر میں عفت کا فقدان اسی حیا کے فقدان کا نتیجہ ہے اور حیا کا فقدان دین کے فقدان کا نتیجہ روایات میں قرار دیا گیا ہے ــ دنیا کے اکثر جرائم اور جنسی بے راہ روی عام طور پر خفیہ طریقہ سے اسی لئے ہوتی ہے کہ فطری حیا ہزار بگڑنے کے بعد سماج کے سامنے ایسے مظاہرات کرنے سے روکتی رہتی ہے۔ ہاں جب سماج ہی رفتہ رفتہ

بگڑنے لگتا ہے تو حیا کا جذبہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے، حیا کی شدت کے عالم میں گھر کی طرف سے نامحرم کا گزرنا دشوار ہو جاتا ہے، حیا کے مرجانے کے بعد جوان لڑکی کالج اور یونیورسٹی میں نوجوان لڑکوں کے نرغے میں چھوڑ دی جاتی ہے ـــــ حیا کی شدت میں جنسی تعلقات جائز طور بھی چھپا کر قائم کئے جاتے ہیں، حیا کے مرجانے کے بعد سینما ہال میں جوان بیٹی کو بٹھا کر بوسہ بازی کے مناظر دکھلائے جاتے ہیں۔ حیا زندہ رہتی ہے تو دوسرے کی بہن بیٹی کی طرف نظر اُٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ حیا مرجاتی ہے تو اپنی بہن بیٹی کا ہاتھ غیر مرد کے ہاتھ میں دے کر کہا جاتا ہے It is my daughter It is my sister حیا باقی رہتی ہے تو نظر بھی چُرا کر ڈالی جاتی ہے اور حیا بالکل ختم ہو جاتی ہے تو بغل میں ہاتھ دے کر سڑکوں اور پارکوں کی سیر کی جاتی ہے۔

دورِ حاضر کے بے حیا و بے غیرت انسان نے جب یہ دیکھ لیا کہ اب حیا کا تحفظ میرے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ حیاداری میں معاشی اور سیاسی نقصانات زیادہ ہیں تو اس نے عفت و ناموس کے تصور ہی مٹا دیے اور اس قسم کے تمام جذبات کو سرمایہ داری اور رفاہیت کا نتیجہ قرار دے دیا۔ ایسے لوگوں کی نظر میں ماں، بہن، بیٹی کو غیر مرد سے بچانا سرمایہ دارانہ طرزِ عمل ہے اور سرِ بازار تماشائے حُسن کرانے میں ترقی، عقد و نکاح کی پابندیاں کرنا فرسودہ طریق کار ہے اور عیاشی و بدکاری جدید ترین اقدام ـــــ لڑکی کو گھر میں بٹھا کر اُس کی عزت و ناموس کی

حفاظت کرنا بر جوازی عمل ہے اور اسے ہاتھوں ہاتھ دست گرداں کرنا اپ ٹو ڈیٹ طریقہ زندگی۔

فطری حیا و غیرت کے ساتھ فطری تقاضوں کے سمجھانے کے لیئے شریعت کے قانون وضع کیئے گئے۔ اس لیئے کہ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے جب انسان اپنے فطری تقاضوں سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ کوئی ان تقاضوں کی طرف متوجہ کرے، بچہ کو دودھ پلانا ہر عورت جانتی ہے لیکن جب اس مامتا سے غفلت برتتی ہے تو بچہ کو رُو کر متوجہ کرنا پڑتا ہے، عوامی ضرورت کو ہر حکومت جانتی ہے لیکن جب تساہلی شروع ہو جاتی ہے تو عوام کو احتجاج کرنا پڑتا ہے۔ یہی ضرورت قوانین شریعت کی ہے، فطری حیا سب کے پاس ہے، حیا کے تقاضے سب کے یہاں پائے جاتے ہیں، لیکن کبھی کبھی ان تقاضوں کے نقوش دھندلے پڑ جاتے ہیں تو قانون کا فرض ہو جاتا ہے کہ ان نقوش کو ابھار کر تقاضوں کو نمایاں کرے، شریعت اسلام نے انھیں تقاضوں کو سمجھانے کے لیئے حسب ذیل قوانین وضع کیئے ہیں:۔

(۱) حرمت نظر — ! عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عورت کی عفت، عصمت، عزت و آبرو کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر مردوں سے دور رہے ان سے کوئی جنسی رابطہ نہ پیدا ہونے پائے، لیکن اسلام نے اپنے قوانین شریعت کے ذریعے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ناموس کا

تقاضا صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ بالاتر ہے، عفت کو متاثر کرنے والی شئے صرف یہی نہیں ہے کہ عورت سے جنسی تعلق قائم ہو جائے بلکہ کسی عورت کا اس پوزیشن میں ہونا کہ اس پر کسی غیر مرد کی نظر پڑ سکے یہ بھی اس کی عفت کو مجروح کر دیتا ہے۔ یہی نہیں خود اس کا بھی غیر مرد پر نظر کرنا اس کی عفت و پاکدامنی کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے جیسا کہ اسلامی روایات میں وارد ہوا ہے۔

"پروردگار عالم نے شدید ترین غضب نازل کر دیا اس ایک عورت پر جس نے اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد کو نظر بھر کر دیکھ لیا تھا۔"

"نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، بہت سی نظریں انجام کار میں حسرت کا باعث بن جاتی ہیں۔"

"نظر نیچی رکھنے سے بہتر ذریعہ عفت کوئی نہیں اس لئے کہ نظروں کا جھکنا دل میں عصمت و جلال کے مشاہدہ کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔"

"نظر سے بچو۔ نظر دل میں شہوت پیدا کرتی ہے اور شہوت فتنوں کی بنیاد ہے۔"

مذکورہ بالا روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نظر کا ناموس سے گہرا تعلق ہے۔ غیر عورت پر نظر کرنا گویا اُسے زہر آلود تیر سے زخمی کرنا ہے اور جب مرد کی نظر میں اتنا زہر ہوتا ہے تو عورت کی نظر میں کتنا زہر ہوگا؟ مرد کی فطرت میں تو اتنی حیا بھی نہیں ہے جتنی حیا و غیرت عورت کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔

"نظر شہوت کا باعث ہے" یہ اس حقیقت میں مشتبہ نہیں کیا جا سکتا کہ نظر دل میں کوئی نہ کوئی اثر ضرور چھوڑ جاتی ہے اور وہ اثر آگے بڑھتے بڑھتے ایک عظیم فتنہ کا سبب بن جاتا ہے، اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ فتنہ صرف جنسی بے راہ روی کا نام ہے کہ اس پر یہ اعتراض کر دیا جائے کہ انسان اکثر سر راہ بہت سی صورتوں کو دیکھتا ہے اور پھر انھیں دیکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے نہ کوئی فتنہ برپا ہوتا ہے اور نہ کسی بے راہ روی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ فتنہ کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع ہے اس میں خلوت کی وہ تمام تباہ کاریاں بھی شامل ہیں جو خواہش نفس کے ہیجان اور اس کی تسکین کے ذرائع کے فقدان کے عالم میں ہوا کرتی ہیں۔ فرض کیجیئے آپ نے سر راہ ایک عورت پر نظر ڈالی آپ دوسرے راستے بڑھ گئے وہ دوسرے راستے چلی گئی، ایسی صورت میں کسی جنسی بدکاری کا تو سوال نہیں ہے لیکن یہ امکان ضرور ہے کہ دل میں بیٹھا ہوا نقش یا آنکھوں میں کھینچی ہوئی تصویر تنہائیوں میں کسی ایسے عمل پر آمادہ کر دے جو انسانیت کے لیے انتہائی نقصان دہ اور صحت کے لیے انتہائی مضر ہو، جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے حجۃ الوداع میں فضل بن عباس سے کہا تھا جب کہ ایک عورت حضور سے مسئلہ پوچھنے آئی اور فضل نے اس کے حسن و جمال پر نظر کرنا شروع کر دی اور اس نے بھی فضل پر نظریں جما دیں۔ حضرتؐ نے فضل کے چہرے کو یہ کہہ کر موڑ دیا کہ "جوان مرد اور جوان عورت۔ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں درمیان میں

شیطان نہ آجائے ۔"

نظر کے نتیجے میں فتنہ کا یہی اندیشہ تھا جس کی بنا پر اسلام نے اپنی عورتوں کو کفار کی عورتوں سے بھی پردہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عورتیں مسلمان عورتوں کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اس کا تذکرہ اپنے مردوں سے کریں اور اُن کے دل میں پیدا ہونے والی خواہش کسی عظیم فتنے کی بنیاد بن جائے ــــ اسلام کا یہی محتاط فلسفہ تھا جس نے مسلمان مرد و عورت کو عفت و پاکدامنی کے قابل رشک درجہ تک پہونچا دیا تھا، جب عورت صرف اپنے ہی اوپر نظر سے نہیں گھبراتی تھی بلکہ خود بھی دوسرے پر نظر کرنے سے پرہیز کرتی تھی، لیکن مغرب کی بے راہ روی نے انسان کو اس تباہی کی منزل تک پہونچا دیا جہاں کپڑے سب کے سفید ہو گئے اور دل سب کے سیاہ و تاریک ہو گئے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس قانون نے نظر کو حیا و غیرت اور عزت و ناموس کے خلاف سمجھا ہے وہ یہ کب برداشت کر سکتا ہے کہ کسی عورت کا جسم غیر مرد کے جسم سے کسی قسم کا اتصال پیدا کرے، دور حاضر میں نامحرم مردوں کے ساتھ مصافحہ کرنا کوئی عیب نہیں ہے جب کہ اسلام نے لمس کی تمام قسموں میں صرف مصافحہ پر بے حد زور دیا ہے اور اپنی اس دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے کہ ایک وقت میں لمس کی تمام قسمیں معیوب رہنے کے باوجود مصافحہ اس سے مستثنیٰ سمجھ لیا جائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے :۔

"کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے مصافحہ کرے جس سے کسی وقت میں بھی نکاح حلال ہے اور اگر مصافحہ کرنا ہی ہو تو کپڑے کے اوپر سے مصافحہ کرے لیکن شرط یہ ہے کہ ہاتھ کو دبائے نہیں"

آخری شرط مصافحہ کے خطرے کا کھلا ہوا اعلان ہے، خلاق کائنات نے انسانی جسم میں کچھ برقی قوتیں رکھی ہیں، عورت کے جسم میں بھی ایسی طاقت ہوتی ہے اور مرد کے جسم میں بھی، ایسی صورت میں دونوں جسموں کے اتصال سے یہ خطرہ ضرور رہتا ہے کہ کہیں کوئی آگ نہ بھڑک اٹھے اسلام نے اس خطرہ کو مٹانے کے لئے درمیان میں کپڑے کو حائل کر دیا جس طرح دو برقی تاروں کو ٹکرانے سے بچانے کے لئے کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے، کپڑے کے بعد بھی ایک منزل باقی رہ جاتی ہے جو ہاتھوں کو دبانے سے بیدار ہو سکتی ہے اس لئے اس پر بھی پابندی لگائی اور یہ واضح کر دیا کہ عزت و ناموس کا دائرہ حیا و غیرت کے دائرے کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔

(۲) حرمت غنا ـــــ ! اسلام کے گانے کو حرام کر دینے میں بھی بڑی حد تک حیا و غیرت اور عزت و ناموس ہی کا ہاتھ ہے اس لئے کہ گانا اس مخصوص لہجہ و ترنم کا نام ہے جو انسانی طبیعت کو متاثر کر کے اس میں خوشی یا غم کا ہیجان پیدا کر سکے، گانے سے پیدا ہونے والا تاثر اچھی آواز یا اچھے انداز یا اچھے لہجے سے پیدا ہونے والے تاثر سے مختلف ہوتا ہے

اسی لئے ہر اچھے ترنم کو حرام نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن ان تمام راگنیوں کو ضرور حرام قرار دیا جائے گا جن سے ایک خاص قسم کا تاثر پیدا ہوتا ہے اور جن میں ایک مخصوص ہیجانی کیفیت پائی جاتی ہے — گانا ایک اچھا محسوس موضوع ہے جس کی تعریف الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں ہے، ہر انسان آواز کو سننے کے بعد یہ فرق کر سکتا ہے کہ یہ صرف ترنم ہے یا گانا بھی ہے۔

گانے کو حرام کر دینے کی ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ گانے کا ترنم جس کلام پر صرف ہوگا اس کلام کی دو قسمیں ہوں گی یا وہ کلام سنجیدہ، معقول، قابل غور و فکر، لائق عبرت و اثر ہوگا یا اس کلام میں جھوٹا عشق، کھوٹی محبت، لفظی بازی گری، سوقیانہ تہذیب کا نقشہ ہوگا۔ دوسرے قسم کے حرام کر دینے کی بنیاد تو دہی عزت و ناموس کا جذبہ ہے، اس لئے کہ ایسا کلام چاہے مرد کی زبان پر جاری ہو یا عورت کی زبان پر ایک مخصوص ہیجانی کیفیت ضرور پیدا کرے گا۔ اگر مغنیہ عورت ہوگی تو خواہش کا طوفان براہ راست اٹھے گا اور اگر مغنی مرد ہوگا تو خواہش کا ہیجان بالواسطہ پیدا ہوگا اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ہر انسان کے پاس ہر وقت تسکین جنس کے ذرائع مہیا نہیں رہتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر دسترس زیادہ ہے اور انسان صاحب دولت و ثروت ہے تو ملک میں طوائف الملوکی پھیل جاتی ہے اور ہاتھ کوتاہ ہے دولت نے ساتھ نہیں دیا ہے تو انسان خود کاری جیسے منحوس عیب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دورِ زمینداری میں عیاشی کی کثرت اور اس کا فیشن بن جانا اسی منحوس نغمہ کا نتیجہ تھا اور آج بھی فلمی دنیا کے آس پاس عیاشیوں کے فیشن بن جانے کا راز یہی ہے، کالجوں کی تہذیب اسی گانے کی تباہ کی ہوئی ہے۔ ہر نوجوان کے گلے میں ٹرانزسٹر، ہر گلی سے آوازِ نَے و نغمہ، جدھر جایئے خواہشات کا طوفان، جدھر سے گزریئے ہیجان کے اسباب فراواں ایسے میں تہذیب کا وہی انجام ہونا چاہیے تھا جو آج ہو رہا ہے —— اسلام نے انھیں خطرات کو محسوس کر کے یہ اعلان کیا تھا کہ "گانا زنا کا ایک زینہ ہے" گانے سے ہیجان پیدا ہوگا، ہیجان تسکین کا طالب ہوگا، تسکین اسباب کی متقاضی ہوگی اور اسباب میں جائز و حلال کا فقدان انسان کو حرام کی دعوت دے گا، اب چاہے وہ زنا ہو یا کوئی اور حرام کاری ——
اور زنا بھی جنسی انداز کا ہو یا نظر و لمس کی حد تک —— اسلام میں سب کو زنا کے اقسام میں داخل کیا گیا ہے، یہ تمام باتیں تو اُس وقت ہوں گی جب غنائی لہجہ مہمل و بیہودہ کلام پر صرف ہوگا لیکن اگر یہی لہجہ کسی سنجیدہ کلام پر صرف ہو تو اس کی مصلحت بھی یہ ہے کہ گانا انسان کی طبیعت پر اثر انداز ہوتا ہے اسی میں سکون یا ہیجان پیدا کرتا ہے، گانا گانے والا سارا زور اپنے لہجہ اور ترنم پر صرف کرتا ہے اور سُننے والا بھی پوری توجہ اسی ترنم پر مرکوز کر دیتا ہے، ایسی صورت میں اگر سنجیدہ کلام کو گانے کے انداز پڑھا جائے گا تو اصل کلام کا تاثر تو بہر حال ختم ہو جائے گا، سارا تاثر لہجہ ہی میں سمٹ کر چلا آئے گا، حالانکہ سنجیدہ کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔

مطالب پر نظر ڈالی جائے اس کے حق میں یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اسے نغموں کے بوجھ تلے دبا دیا جائے۔ اسلام نے قرآن مجید تک تو گا کر پڑھنا حرام کر دیا۔ اسی لئے کہ اس طرح قرآن میں غور و فکر، نظر و تدبر جیسی اہم باتیں ختم ہو جائیں گی اور وہ ایک ذریعہ تفریح و تسکین بن جائے گا جو اس کی عظمت کے منافی اور اس کے تقدس کے لئے سم قاتل ہے۔

گانے کے ساتھ ساتھ اسلام نے عورت کی نرم گفتگو پر بھی پابندی لگائی اور گفتگو کے ہر اس لہجہ و انداز کو حرام کر دیا جس میں لگاوٹ کا شبہ تھا، عام عورتوں کا ذکر نہیں ہے خود ازواج سرورِ کائنات سے خطاب ہوا۔ "اپنی باتوں میں لگاوٹ کو راہ نہ دو کہ اس طرح کوئی دل کا بیمار تمہاری طرف طمع آمیز نظر کرنے لگے"۔ جس کا مطلب ہی یہ تھا کہ اسلامی دستور میں حیا و غیرت ایک ضروری عنصر ہے، یہاں عزت و ناموس کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس پر ہلکے سے ہلکا وار بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) حرمتِ زنا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو مذہب عزت و ناموس کا اتنا احترام کرتا ہے کہ اس پر دور دراز سے بھی کوئی حملہ برداشت نہیں کرتا وہ زنا کی کیونکر اجازت دے سکتا ہے، زنا انسانی سماج کا اتنا ہی منحوس جرم ہے جس میں قانون شکنی کے علاوہ اخلاقی قدروں کی تباہی کا بھی عنصر پایا جاتا ہے۔ اسلام نے زنا کو حرام کرنے سے پہلے دو اہم باتوں کو پیش نظر کر لیا ہے۔

(۱) اگر زنا روک دیا تو جنسی تسکین کا آسان ترین ذریعہ کیا ہوگا؟

(۲) اگر زنا صرف اپنے حد کے اندر ممنوع رہے تو مقدمات سے گزر جانے والا نفس یہ کیونکر کنٹرول کرے گا۔

پہلی بات کا حل "متعہ" کو قرار دیا۔ اس کے پیش نظر یہ دشواری تھی کہ انسان تمام حالات میں نکاح دائمی پر قادر نہیں ہوتا، اس کے شرائط و آداب کی پابندی نہیں کر سکتا، اور نہ ہر وقت اپنے نفس کی خواہش کو دبا ہی سکتا ہے، اس لئے درمیان کا راستہ یہی ہے کہ "متعہ" کا سلسلہ قائم کر دیا جائے جو اپنے اصول و آئین کے اعتبار سے انتہائی مستحکم ہو لیکن مواقع کے اعتبار سے نکاح سے کہیں زیادہ سہل ہو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جنسی تسکین بھی ہوتی رہے گی اور قانون شکنی، بداخلاقی جیسے جرائم بھی عالم وجود میں نہ آئیں گے۔

دوسری بات کا بھی حل یہی نکالا گیا ہے کہ زنا کو اعضا و جوارح پر تقسیم کر دیا جائے اور اخلاقی دنیا کے ہر جرم کو زنا کا ایک درجہ قرار دیا جائے چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ نامحرم عورت پر نظر کرنا آنکھوں کا زنا ہے، اُسے چھو لینا ہاتھوں کا زنا ہے، اُس کی طرف غلط نیت سے قدم اُٹھانا پیروں کا زنا ہے، اس کے بارے میں غلط تصورات قائم کرنا دماغی خباثت ہے۔ اور یہ سب اس لئے کیا گیا کہ مقدمات پر پابندی لگائے بغیر اصل موضوع کو نہیں روکا جا سکتا۔ زنا ایک خواہشاتی موضوع ہے اور خواہشاتی ہیجان پر پابندی لگانا عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ اسے پہلے ہی

اسٹیج سے روک دیا جائے اور قطرہ کو سیلاب نہ بننے دیا جائے۔

حکمِ حجاب

عزت و ناموس کے چاروں طرف حیا و غیرت اور احکام شریعت کے پہرے بٹھانے کے بعد پردہ کا حکم آتا ہے۔ یہ حکم عزت و ناموس کے جذبے کی تکمیل کا آخری ذریعہ ہے، اس کے ذریعے ناموس شکن تمام عناصر سے بچا جا سکتا ہے، اس کو سپر قرار دے کر ناموس پر ہونے والے ہر حملے کو رد کیا جا سکتا ہے۔۔۔ دورِ حاضر کی بڑھتی ہوئی بے پردگی نے حکمِ حجاب ہی کو نہیں اُٹھایا بلکہ اس امر کا بھی احساس کیا ہے کہ حجاب انسانی غیرت کا مظہر ہے اس لئے اُس نے حیا و غیرت کے تصور کو بھی بدل ڈالا ہے، اب نہ حیا نام کی کوئی شے ہے اور نہ ناموس کسی چیز کا نام ہے، اب ہر عورت ہر مرد کے لئے مباح ہے اور ہر ناموس کا سر بازار لٹنا سماج کی ترقی ہے۔۔۔ زنا اس انداز کا جرم ہے جس طرح سڑک پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، نظر و لمس فیشن کے ضروری اجزاء اور ترقی پسندی کی واضح علامتیں ہیں۔

اسلام جہاں دنیا کے ہر طوفان سے ٹکراتا رہا وہاں اس نے اس سیلاب بلا کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ ایسے دور میں بھی اور ہر دور میں اپنے پردے کے حکم کو ناقابل تنسیخ بنا کر رکھا ہے اس کی نظر میں

عزت و ناموس کا احترام ہے وہ اس کی تباہی و بربادی کو نہیں دیکھ سکتا اس نے ایک عورت کی عزت کی خاطر مرد کی نظر کو روکا، غنائی لہجہ پر پابندی لگائی، عورت سے مصافحہ کو منع کیا، متعہ کا دروازہ کھولا، حرمت زنا کے دائرے کو وسیع کیا ——— وہ یہ کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ یہی عورت سر بازار رسوا ہو، اور اس کی عظمت و بزرگی کو بازاری جنس کا درجہ دے دیا جائے، یہ رونق خانہ ہونے کے بجائے تماشائے سر بازار بن جائے۔

قرآن مجید نے پردے کا حکم سناتے ہوئے اس کے فلسفہ پر بھی روشنی ڈال دی ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ پردہ کا تعلق ننگ و ناموس کے ساتھ کتنا شدید ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

"پیغمبرؐ ——— ! صاحبان ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے مقامات عفت کا تحفظ کریں یہی اُن کے لئے سب سے زیادہ پاکیزہ بات ہے، خدا ان کے اعمال سے بخوبی واقف ہے، اور اے پیغمبرؐ! مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اپنے مقامات عفت کی حفاظت کریں اور اپنی اُن زینتوں کے علاوہ جو خود بخود ظاہر ہیں کسی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ اپنی اوڑھنی کو اپنے سینوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو کسی ایک پر بھی ظاہر نہ کریں سوائے شوہر، باپ دادا۔ شوہر کے باپ دادا، اپنی اولاد، اپنے بھائی بھتیجے اور بھانجے، اپنی عورتیں، اپنے غلام و کنیز، اور وہ ملازم جو

خواہش کی منزل سے گزر چکے ہیں، وہ بچے جو مرد و عورت کی تمیز نہیں رکھتے۔ پاؤں اس طرح پٹک کر نہ چلیں کہ چھپی ہوئی زینت کا کسی کو احساس ہو جائے ـــــــ ایمان والو سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو شاید اسی طرح نجات مل جائے"

دوسرے مقام پر ازواج پیغمبرؐ سے خطاب ہوتا ہے۔" پیغمبرؐ کی عورتو! تم عام عورتوں کی جیسی نہیں ہو۔ تمھارا مرتبہ اُن سے افضل ہے بشرطیکہ تم تقوے و پرہیزگاری کو اختیار کیے رہو، دیکھو تمھاری بات چیت میں ایسی لگاوٹ نہیں ہونی چاہیے جس سے کوئی بدنفس تمھارے بارے میں طمع پیدا کرے، تم سیدھی سیدھی نیک گفتگو کیا کرو۔ اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلی جاہلیت کا سا بناؤ سنگار نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرو ــــــ"

مذکورہ بالا آیات سے حسب ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:-

(۱) اہل ایمان مرد ہوں یا عورت اُن کا ایمانی فریضہ ہے کہ ہر وقت اپنی نظریں نیچی رکھا کریں، غیر پر نظر کرنے کی کوشش اور تاک جھانک ایمانی شیوہ نہیں ہے، یہ عام بازاری لوگوں کا شیوہ ہے جو اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا، پھر اہل ایمان کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس طرح آپ دوسرے کی بہن بیٹی کو تاک سکتے ہیں اسی طرح دوسرا بھی انسان ہے اُس کے دل میں بھی انسانی خواہشات ہیں وہ بھی آپ کی بہن بیٹی کی تاک میں رہ سکتا ہے، اس لیے

تقاضائے انصاف یہی ہے کہ سب اپنی نظریں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کی عزت و ناموس کا تحفظ کریں۔ آیت نے حکم مذکور کو صرف مردوں سے متعلق نہیں کیا بلکہ عورتوں کو بھی شریک کر لیا، اس لیئے کہ اگر عورت مرد کو تاکنے کا حق رکھتی ہے تو اس کا انتقامی ردعمل یہ ہوگا کہ مرد بھی اُس کی تاک میں رہنے لگے گا اور ظاہر ہے کہ اس تاک جھانک سے مرد کا وہ نقصان نہیں ہو سکتا جو عورت کے لیے ممکن اور قابل وقوع ہے۔

(۲) اہل ایمان کا دوسرا فرض یہ ہے کہ اپنے مقامات عفت کا تحفظ کریں، مقامات عفت کے تحفظ کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ مرد یا عورت کسی کے لئے مفعول واقع نہ ہو بلکہ کبھی کبھی فاعلیت بھی اس تحفظ کے خلاف ہو جاتی ہے، زنا کرنے والا مرد صرف عورت کی عفت کو تباہ نہیں کرتا بلکہ اپنی عفت کو بھی مٹی میں ملا دیتا ہے، اس لیئے کہ عفت کے بچانے کا مطلب یہی تھا کہ عضو تناسل کا استعمال ناجائز محل پر نہ ہو، اور جب ایسا ہو گیا تو گویا عفت اور پاکدامنی محفوظ نہیں رہی ـــــ یہی حال عورت کی فاعلیت کا ہے، عورت جب دوسری عورت سے ہم جنسی کرتی ہے تو صرف دوسرے کی عفت پر حملہ نہیں کرتی بلکہ اپنی عفت کا بھی خون کر دیتی ہے ـــــ عفت کے تحفظ کو اسلام نے بہتری اور پاکیزگی سے تعبیر کیا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مقامات عفت کے تحفظ اور بدنظری سے پرہیز سے بہتر پاکیزگی کا

اور کیا اہتمام ہو سکتا ہے؟

(۳) خود بخود ظاہر ہو جانے والی زینت کے بارے میں علماء اسلام میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں، بعض لوگوں نے اس سے مراد لباس کو لیا ہے جو بہر حال ظاہر رہتا ہے اور جسے کسی حال میں نہیں چھپایا جا سکتا ــــ اور بعض روایات میں اس کی تفسیر سرمہ، کنگن وغیرہ سے کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت پر آنکھوں اور ہاتھوں کا چھپانا فرض نہیں ہے، یہ بات اگرچہ مزاج شریعت سے بہت دور نہیں ہے اس لئے کہ اس کا نہ چھپانا اور ہے اور مرد کی نظر کا جائز ہونا اور ــــ لیکن تاہم یہ بات صرف وہیں کہی جا سکتی ہے جہاں اس نمائش سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ فتنے کے امکان کی صورت میں تو کسی جزو بدن کا نمایاں ہونا جائز نہیں ہو سکتا جیسا کہ عام طور سے جوان عورتوں میں ہوتا ہے کہ ان کی نمائش کسی نہ کسی فتنے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

آیت کے اس ٹکڑے کے بارے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ ٹکڑا دو مرتبہ استعمال ہوا ہے ایک مرتبہ اصل حکم جواز کے بیان کے سلسلے میں اور دوسری مرتبہ اُن لوگوں کی تفصیل کے سلسلے میں جن پر ان زینتوں کو ظاہر کیا جا سکتا ہے اس لئے دونوں ٹکڑوں کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ کھلم کھلا زینتوں کی نمائش جائز ہے لیکن ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ صرف انھیں اشخاص کے لئے جن کا تذکرہ آیت میں موجود ہے۔

(۴) اوڑھنیوں کو سینوں پر ڈالے رکھنے کا حکم بتاتا ہے کہ اسلام

میں عورت کا پردہ صرف جلد کا پردہ نہیں ہے ورنہ قمیص ہی جسم و جلد کے پوشیدہ رکھنے کے لئے کافی تھی، سینے پر اوڑھنی کے ڈالے رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، یہاں جلد کے ساتھ جسم کی ساخت اور اس کے نشیب و فراز کا چھپانا بھی ضروری ہے۔۔۔۔ اوڑھنی کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس سے جسم کی ساخت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اوڑھنی کے سینے پر نہ ہونے کی صورت میں جسم کی ساخت بڑی حد تک نمایاں رہتی ہے اور ایسے میں عورت کو بے پردہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام نے اسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اوڑھنی کی تاکید کی اور اُسے صرف سر تک محدود نہیں رکھا بلکہ سینے پر ڈالے رکھنے کا بھی حکم دے دیا۔

(۵) پاؤں پٹک کر چلنے کی ممانعت صاف بتاتی ہے کہ اسلام عزت و ناموس کے تحفظ کا عظیم علمبردار ہے وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کسی شخص کو عورت کی چھپی ہوئی زینت کا احساس ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ زینت بدن کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ وہ فاضل شے ہے جس کا استعمال الگ سے کیا جاتا ہے لیکن اسلام کو یہ گوارا نہیں ہے کہ ایسی فاضل شے کا بھی کسی غیر کو اندازہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ جو مذہب فاضل شے کی نمائش اور اس کے اظہار کو پسند نہیں کرتا وہ کسی جزو بدن کی نمائش کو کیونکر پسند کرے گا۔

آخر کلام میں توبہ کی دعوت اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ انسان کو اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے اور نہ یہ سوچنا چاہیئے کہ جب غلطی

ہو چکی، تو ہو چکی اب اس کی تلافی سے کیا فائدہ ؟ توبہ بہر حال افادیت رکھتی ہے، اس کا لحاظ رکھنا ہر حالت میں ضروری ہے، توبہ نہ کرنے والا اور اپنی غلطی پر اصرار کرنے والا ہی حقیقتاً مجرم کہا جاتا ہے۔ توبہ کرنے والا مجرمین کی صف سے باہر نکل جاتا ہے ـــــ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر مسلمان اب تک ان باتوں کا لحاظ نہیں کرتے رہے ہیں ان کے معاشرے میں بے غیرتی اور بے حیائی نے جگہ بنا لی ہے تو انھیں اسی صورت حال پر باقی نہیں رہنا چاہیے، اور نہ رحمت خدا سے مایوس ہونا چاہیے بلکہ فوراً موجودہ صورت حال کو بدل کر بارگاہ احدیت میں یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس توفیق کو قائم و دائم رکھے اور ہمارے کردار کو اسلامی اقدار کے سانچے میں ڈھال دے۔

توبہ کی اجتماعی دعوت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام اس مسئلے میں صرف انفرادی اصلاح نہیں چاہتا بلکہ پورے سماج کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمان خود بھی حیا و غیرت کا تحفظ کریں اور دوسروں کو بھی اس امر کی دعوت دیں تاکہ معاشرہ میں بے غیرتی عام نہ ہونے پائے، ورنہ انفرادی اصلاح کے باوجود اگر دو چار بھی قانون شکن زندہ رہ گئے تو فتنوں کے اُٹھ جانے کا شدید اندیشہ ہے۔ عورت کا حسن و جمال مرد کی خواہشات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو فتنوں کا برپا ہو جانا ناگزیر سا ہو جاتا ہے۔

دوسری آیت میں صرف پردے کے حکم پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ

گھروں میں بیٹھنے کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اسلام ازواج پیغمبرؐ کے لئے گھروں سے نکلنا برداشت نہیں کرتا وہ دوسری عورتوں کے لئے کیونکر برداشت کر سکتا ہے جب کہ فتنوں کا اندیشہ ازواج پیغمبرؐ میں کم ہے وہ امت کے لئے ماں کا درجہ رکھتی ہیں، ان سے عقد کرنا حرام ہے، ان پر طمع آمیز نظروں کے پڑنے کے امکانات کم ہیں اور امت میں یہ تمام امکانات بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔

پردہ اور سیرت

سیرت معصومینؑ سے پردے کے حدود پر استدلال کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ سیرت سے استدلال کرنے کے حدود دقیود کیا ہیں؟ یاد رکھئے! سیرت خود ایک ساکت وصامت حقیقت ہوتی ہے اس لئے اس سے استدلال قائم کرنے سے پہلے اس کی نوعیت پر نظر کرنا ضروری ہوگا۔ نوعیت کو دریافت کئے بغیر سیرت سے استدلال ایک بے معنی امر ہوگا، مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ آپ نے کسی معصوم کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ظاہر ہے کہ اس نماز سے اتنا تو اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ اس وقت میں دو رکعت نماز قائم کرنا جائز ہے لیکن یہ فیصلہ ناممکن ہے کہ یہ نماز سنت ہے یا واجب، واجب ہے تو صرف

معصوم کے لیئے یا دوسرے افراد کے لیئے بھی ـــــ اس لیئے نماز کی نوعیت دریافت کرنے کے لیئے مذہب کے دوسرے قوانین پر نظر کرنا ہوگا مثلاً یہ دیکھا جائے گا کہ اسلام میں واجب نمازوں کی تعداد معین ہو چکی ہے اور معصوم کے خصوصیات کی بھی تحدید کی جا چکی ہے اس لیئے یہ نماز نہ واجب ہو سکتی ہے اور نہ خصوصیات معصومین میں سے اس کا مستحب ہونا بھی امر یقینی ہے ۔ یہی حال جملہ سیرتوں کا ہوا کرتا ہے کہ جب تک ان کی نوعیت نہ معلوم ہو جائے اُس وقت تک اُن کے بارے میں کوئی فیصلہ غیر ممکن ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پردے کے بارے میں بھی اسلام کا موقف دریافت کر لیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں سیرت کا تجزیہ کیا جا سکے ۔ قرآن و سنت کے اکثر بیانات سے اس موقف کی وضاحت کی جا چکی ہے ۔ اس وقت معصومۂ عالم جناب فاطمہ زہراؑ کا ایک فقرہ پیش نظر ہے جو آپ نے سرور کائنات کے سوال پر ارشاد فرمایا تھا ۔ سرور کائنات کا سوال یہ تھا کہ عورت کے لیئے سب سے اچھی چیز کیا ہے ؟ اور معصومۂ عالم کا جواب یہ تھا کہ عورت کے لیئے سب سے بہتر یہ ہے کہ نہ اُس پر کسی مرد کی نظر پڑے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ یک طرفہ ستر کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں طرفین کی حیا و غیرت کو دخل ہے پردہ صرف گھر میں بیٹھنے کا نام نہیں ہے بلکہ گھر سے نکلنے کے بعد بھی مردوں کی

نظر سے بچنے کا نام ہے اور گھر پر رہ کر بھی نامحرم کی نگاہ سے اپنے کو بچائے رکھنے کا نام ہے ـــــ عورت کو قانونی اعتبار سے گھر کے اندر رہ کر امور خانہ کی نگرانی کرنا چاہیے اور اگر کبھی بر بنائے ضرورت نکل بھی آئے تو اپنے کو مردوں کی نظروں سے بچائے رکھنا چاہیے ـــــ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو عورت پر حکومت کا درجہ اسی معنی میں دیا ہے کہ وہ عورت کو گھر سے باہر نہ جانے دے ـ بیرون خانہ کی مصلحتوں کو عورت کی نسبت سے مرد زیادہ بہتر جانتا ہے اور اگر ان حالات کے جانتے ہوئے بھی باہر جانے کی اجازت دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شرم وحیا رخصت ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ جس کی شرم وحیا رخصت ہو جائے اس کا دین ومذہب کہاں باقی رہتا ہے؟

معصومۂ عالم کے اسی ارشاد گرامی کی روشنی میں آپ کی اس سیرت کو دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے دروازے پر سرور کائنات اپنے محترم صحابی کو لے کر آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، معصومۂ عالم نے اجازت دے دی، لیکن آپ نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے پھر عرض کی کہ گھر آپ کا گھر ہے اجازت کی کیا ضرورت ہے ـــــ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ میرا ایک صحابی بھی ہے، جناب سیدہ نے عرض کی کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے پاس ایک چادر ہے جس سے یا سر کو چھپا سکتی ہوں یا پیروں کو۔ ایسی حالت میں

کسی صحابی کو گھر کے اندر آنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہوں ــــ؟
واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معصومۂ عالم صحابی کو گھر کے اندر آنے سے نہیں روکنا چاہتیں بلکہ پردے کے حدود پر روشنی ڈالنا چاہتی ہیں، یعنی اگر میرے پاس چادر ہوتی تو ضرور اجازت دے دیتی اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرتؐ نے اپنی عبا عنایت فرمادی تو جناب سیدہ نے بخوشی صحابی کے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

معصومہؑ کے گزشتہ ارشاد سے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ عورت و مرد کے دیکھنے کا مطلب اس کے چہرے اور صورت کا دیکھنا ہے کہ آپ کی سیرت نے اس ارشاد کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ اس کے حدود میں قد و قامت بھی آجاتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ نے اسماء سے یہ شکوہ کیا کہ مدینہ میں جنازہ اٹھانے کا طریقہ ناقص ہے اس میں مُردے کا قد و قامت نمایاں ہو جاتا ہے اور جب اسماء نے حبش کے طریقے سے تابوت بنا کر دکھا دیا تو آپ کے لبہائے مبارک پر مسکراہٹ آ گئی بعض روایات میں یہ طریقہ معصومہؑ کے خواب کا نتیجہ بتایا گیا ہے

ظاہر ہے کہ آپ کا اضطراب مرنے کے بعد کے لئے تھا جب انسان سے ہر تکلیف و فریضہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ اضطراب خود بتاتا ہے کہ آپ مرنے کے بعد بھی اپنے قد و قامت کو نمایاں نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں اور جو مرنے کے بعد اس بات کو پسند

نہ کرتا ہو وہ زندگی میں کیسے پسند کر سکتا ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ جب رسول اکرمؐ آپ کو مباہلہ میں لے کر چلے تو آگے خود رہے اور پیچھے علیؑ کو کر دیا تاکہ فاطمہؑ کا قد نمایاں نہ ہونے پائے اور فاطمہؑ کے نقش قدم پر بھی کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی یہی بلندی نفس تھی جس کی عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ ابن مکتوم نابینا صحابی کو لے کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور عائشہ وحفصہ سے فرمایا کہ حجرے میں چلی جاؤ دونوں نے کہا کہ یہ تو نابینا صحابی ہے اس سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ وہ نابینا ہے لیکن تم تو نابینا نہیں ہو ـــــــ اسلام جہاں اس کا نظر کرنا پسند نہیں کرتا وہیں تمہارا نظر کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی اصلی منزل حدود خانہ ہے اور اس کا اصلی منصب امور خانہ کی نگرانی ـــــــ اس کے رخ درخشاں کو نگاہ مردم سے بچانے میں خیر ہے اور اس کے قد وقامت کو اجنبی کی نظروں سے بچانے میں عافیت! یہی کردار معاشرے کی اصلاح کا ضامن ہے اور یہی اصول حیات سماج کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ـــــ خداوند عالم امت توحید و رسالت اور پیروان

مسلکِ ولایت کو اس خیر کے حاصل کرنے کی توفیق کرامت فرمائے اور ہمارے معاشرے کو ہر شر و آفت سے محفوظ رکھے ـــــ آمین۔

تمّت

ناشر
سید ابن حسین نقوی
آنریری سکریٹری امامیہ مشن
لکھنؤ ۳
انڈیا

حُسینی فنڈ

امامیہ مشن، لکھنؤ

اس فنڈ کے معطیان کو اُن کی رقم عطیہ کے بعد منہائی اخراجات ڈاک دوگنی قیمت کے رسائل واقعہ کربلا سے متعلق اُردو، ہندی یا انگریزی جس زبان میں مطلوب ہوں محرم سے قبل ہی بذریعہ ریلوے پارسل یا رجسٹرڈ پوسٹ سے ارسال کر دیے جاتے ہیں اور وہ خود ہی اپنے وہاں "یوم عاشورہ" اس لٹریچر کو برادران وطن میں مفت تقسیم کرتے ہیں اور اس طرح ہمارے وطنی بھائی بھی کربلا کی عظیم قربانیوں اور اس کے پس منظر سے باخبر ہو کر اسلام حقیقی سے متعارف ہو رہے ہیں۔ تمام برادران ایمانی کا فریضہ ہے کہ اس اہم دینی مقصد کے سلسلہ میں اپنے اس مشن کی کسی ممکن امداد سے دریغ نہ کریں اور حسینی فنڈ میں اپنے گراں قدر عطایا سے امداد فرما کر عنداللہ و عندالرسول ماجور ہوں۔ اس فنڈ میں چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی شکریہ کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری، امامیہ مشن، لکھنؤ